18

قاضی محمد علی صاحب کیوں تعریف کے مستحق ہیں

(فرمودہ ۲۹ مئی ۱۹۳۱ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

پچھلے دنوں ہماری جماعت میں جو واقعہ ہوا ہے اس کے متعلق چونکہ مختلف دوستوں کے مختلف خیالات ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اختصار کے ساتھ ایسی بات کہہ دوں جو جماعت کے اخبار نویسوں مبلغوں اور دوسرے لوگوں کے لئے ہدایت کا کام دے سکے۔ میری اس واقعہ سے مراد قاضی محمد علی صاحب مرحوم کا واقعہ ہے۔ جماعت میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں کچھ لوگ تو اپنے جوشِ محبت اور وفورِ اخلاص کی وجہ سے یہ کوشش کرتے ہیں کہ قاضی صاحب مرحوم کے واقعہ کو لوگوں کی نظروں کے سامنے تازہ اور زندہ رکھا جائے اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ بھی اپنے رنگ میں (اگر کوئی خاص بات ان میں سے کسی کے خلاف ثابت نہ ہو جائے) سلسلہ کی محبت اور تعلیم سے اخلاص کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہو چکا ہو چکا اب اس کے متعلق ہمیں خاموش ہو جانا چاہئے کیونکہ سختی اور ظلم کا مقابلہ سختی اور ظلم سے کرنا ہماری تعلیم کے خلاف ہے۔ میں دیکھتا ہوں بعض جگہ اس اختلاف سے فتنہ کا خوف ہے اور بعض دوستوں میں اس اختلاف کے باعث لڑائی کا ڈر ہے۔ چونکہ یہ اپنی نوعیت کا نرالا واقعہ ہے اور ہماری جماعت میں پہلے اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں ہوا اور چونکہ ہم اگر خاموش بھی رہنا چاہیں تو دشمن ایسے حالات میں ہمیں کب خاموش رہنے دیتے ہیں اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں۔

سب سے پہلے میں جماعت کے دوستوں کو تنبیہ کرتا ہوں کہ وہ لوگ جو اس واقعہ کو زندہ اور

تازہ رکھنا چاہتے ہیں اور وہ جو اس بارے میں خاموشی کو پسند کرتے ہیں ان دونوں قسم کے لوگوں میں جہاں مخلص لوگ ہیں وہاں منافقوں کا عنصر بھی شامل ہے اور کسی ایک فریق کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ منافق اسی میں ہیں۔ منافق ہوشیار ہوتا ہے اور ہر رنگ میں بات کو ایسی طرح پیش کرتا ہے کہ اعتراض پیدا کرنے کا موجب ہو سکے۔ پس ضروری نہیں کہ انہی لوگوں میں ہی منافق ہوں جو اس واقعہ کے متعلق خاموشی کو پسند کرتے ہیں۔ اس خیال کے سارے لوگ منافق نہیں ان میں بھی مخلص ہیں اور ان کی غرض اس سے یہ ہے خواہ غلط فہمی کی وجہ سے ہی ہو کہ سلسلہ پر کوئی ایسا حرف نہ آئے جس سے آئندہ کسی اعتراض کا جواب ہم نہ دے سکیں اور اس میں کیا شک ہے کہ سلسلہ کی محبت افراد کی محبت پر غالب ہونی چاہئے ایسے لوگ یقیناً مخلص ہیں۔ مگر ان میں ایک منافقوں کا گروہ بھی ہے جس کی غرض یہ بتانا ہے کہ جماعت میں ایسے افراد بھی ہیں جو ظلم و تعدی کرنے والوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس ارادہ اور نیت کے ساتھ خاموش رہنے کا مشورہ دینے والے منافق ہیں۔ پھر وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو زندہ رکھنا چاہئے اور نوجوانوں اور کارکنوں کے لئے یہ ایک سبق ہونا چاہئے ان میں بھی منافق ہیں اور وہ اس خیال کو ایسے رنگ میں پیش کرتے ہیں جس سے ظاہر ہو کہ ہماری جماعت اصولاً تشدد کو پسند کرتی ہے۔ ایسے لوگ قاضی صاحب کی محبت کی آڑ میں لوگوں کے اندر سلسلہ پر اعتراض کا مادہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور منافق کا طریق یہی ہوتا ہے کہ وہ بات کو ایسے رنگ میں پیش کرتا ہے کہ بظاہر تو بہت اخلاص کا اظہار ہوتا ہے مگر درپردہ وہ سلسلہ پر اعتراضات کے لئے لوگوں کو تیار کرنا چاہتا ہے جیسا کہ ایک پچھلے خطبہ میں میں بیان کر چکا ہوں کہ لوکل کمیٹی کے صدر کے انتخاب کے بعد ایک شخص نے ایک دکان پر جا کر کہا کہ ہم نے تو اسی کے حق میں رائے دی جس کے متعلق اوپر اشارہ ہوا تھا ہم نے تو ان کی منشاء پوری کی۔ اب بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی بات کہنے والا بہت مخلص ہے مگر دراصل وہ منافق ہے کیونکہ وہ لوگوں میں یہ خیال پیدا کرنا چاہتا ہے کہ گویا میں بھی پارٹیوں میں شامل ہوں اور اشارے کر کے پریذیڈنٹ منتخب کراتا ہوں حالانکہ نہ میں نے کبھی ان باتوں میں دخل دیا نہ دیتا ہوں اور نہ ہی اسے جائز سمجھتا ہوں۔ ایسی بات بظاہر تو اخلاص کا پہلو رکھتی ہے مگر ہے دراصل منافقت اور وہ بھی اشدّ قسم کی۔ ایک منافقت بغیر جھوٹ کے ہوتی ہے مگر یہ ایسی منافقت ہے جو سراسر دروغ پر مبنی ہے۔ الغرض دونوں خیال کے لوگوں میں مخلص بھی ہیں اور منافق بھی۔ اس لئے دونوں کو ہوشیار رہنا چاہئے۔

میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے سلسلہ میں سے کوئی شخص اگر یہ خیال کرے کہ ہمارے خلاف جو کوئی بدگوئی کرے اسے قتل کر دینا چاہئے یا مارنا پیٹنا چاہئے تو میں اس کے قطعی خلاف ہوں کیونکہ ہماری تعلیم اس کی بالکل اجازت نہیں دیتی اور ایسا کرنے والا خواہ ہمارا کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو ہم ہرگز اس کی تائید نہیں کر سکتے اور اگر یہ واقعہ بھی صرف اس حد تک ہوتا تو گو جو کچھ قاضی صاحب سے سرزد ہوا وہ سلسلہ اور میری ذات کے لئے تھا مگر اس صورت میں غالباً ان کا جنازہ بھی نہ پڑھتا۔ پس جو لوگ اس واقعہ کی اس رنگ میں تعریف کرتے ہیں اگر وہ جاہل اور بے خبر نہیں تو یقیناً منافق ہیں۔ جو لوگوں کے اندر یہ خیال پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے عدم تشدد اور امن پسندی کے دعوے جھوٹے ہیں۔ پھر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا کوئی واقعہ ہوا مگر اب اس کا ذکر نہیں کرنا چاہتے وہ بھی یا جھوٹے ہیں یا ناواقف۔ قاضی صاحب نے آخری دم تک اپنے رویہ سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ نہایت راستباز آدمی تھے اور اگر ان کے بیان کے خلاف پچاس گواہ بھی ہوں تو ہم یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ یا تو ان کو غلط فہمی ہوئی ہے اور یا وہ جھوٹ بولتے ہیں اس لئے کہ ہم جانتے ہیں قاضی صاحب نے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا اور بالآخر اسے قربان کر دیا مگر سچائی کو ایک لحہ کے لئے بھی نہیں چھوڑا اور جب کبھی کسی نے ان کو ایسا مشورہ دیا کہ وہ اپنے بیان کو ایسے رنگ میں ڈالیں کہ قانونی طور پر محفوظ ہو جائیں تو انہوں نے سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے انکار کر دیا باوجودیکہ کہ قانون دان انہیں مشورہ دیتے تھے کہ ان کی جان بچ سکتی تھی اور الفاظ کے معمولی ہیر پھیر سے وہ پھانسی کی سزا سے بچ سکتے تھے مگر انہوں نے معمولی سا اختلاف بھی پسند نہیں کیا اور تختہ دار پر لٹک جانا گوارا کر لیا۔ بلکہ سچائی کی خاطر ان کے اندر اس قدر غلو تھا کہ انہوں نے بعض ایسی باتیں بیان کر دیں جن کا سچائی کے لئے بھی بیان کرنا ضروری نہ تھا اور انہیں کی وجہ سے وہ گرفتار بلاء ہوئے۔ یعنی انہوں نے کہا کہ میں گھر سے اسی لئے چلا تھا کہ ان لوگوں کو سزا دوں مگر بعد میں میرا ارادہ بدل گیا تھا۔ جب یہ ارادہ بدل گیا تھا تو سچائی کی خاطر وہ اسے بیان کرنے پر ہرگز مجبور نہ تھے بلکہ شریعت ایسے موقع پر یہی کہے گی کہ اسے چھپالو کیونکہ خدا نے اس سے بچالیا۔ اور جب پہلی نیت بدل گئی تو اس جگہ سے بیان شروع کرو جہاں سے دیانتداری کے ساتھ تم سمجھتے ہو کہ نیا واقعہ شروع ہوتا ہے۔ اور جو یہاں سے چلتا ہے جبکہ لاری میں بیٹھے ہوئے انہیں جوش دلایا گیا اور وہ لڑ پڑے۔ ایسا راستباز انسان کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں میرے ہاتھ سے مقتول قتل ہوا یا کسی دوسرے کے ہاتھ سے۔ پس یہ واقعہ یوں نہیں کہ قاضی صاحب نے

غیرت اور جوش میں آکر ایک شخص کو قتل کر دیا بلکہ ایک لڑائی میں ایک ایسا قتل ہوا ہے جس کی نسبت یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ کس کے ہاتھ سے ہوا ہے۔ غرض اگر واقعہ یہ ہوتا کہ قاضی صاحب دیدہ دانستہ ایک شخص کو قتل کر دیتے تو بے شک قابل اعتراض بات تھی مگر واقعہ جو کچھ ہوا اور جس کو ایک سرکاری گواہ نے بھی جو ایک کم عمر لڑکا تھا اور اس وجہ سے جھوٹ بولنے میں پختہ نہ تھا تائید کی۔ وہ یہ ہے کہ بیہودہ باتیں کر کے اور مباہلہ کا پرچہ دے کر انہیں اشتعال دلایا گیا اور انہوں نے کہا ایسی باتیں نہ کرو میرا دل جلتا ہے۔ پس استغاثہ کا ایک گواہ بھی جو بوجہ کم عمری جھوٹ بولنے میں مشاق نہ تھا قاضی صاحب کے بیان کی تائید کرتا ہے۔ باقی گواہوں نے جو گواہی دی وہ خواہ غلط فہمی کی بناء پر ہو خواہ انہوں نے جھوٹ بولا ہو مگر ہم ان کی گواہیوں کو قاضی صاحب کے بیان پر ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے کیونکہ قاضی صاحب نے سچائی کو آخری دم تک قائم رکھا اور ایک لڑکے نے بھی ان کے بیان کی تصدیق کی ہے کہ مستریوں نے ایسی باتیں کیں کہ قاضی صاحب نے کہا ایسی باتیں نہ کرو میرا دل جلتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ انہیں پہلے اشتعال دلایا گیا جس کے نتیجے میں لڑائی ہوئی۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں کس کے ہاتھ سے کون قتل ہوا۔ اگر ان کے ہاتھ سے ہوا تو انہوں نے محمد علی سمجھ کر اسے مار دیا اور اگر میرے ہاتھ سے ہوا تو میں نے عبدالکریم سمجھ کر مارا۔ چونکہ اندھیرا تھا اس لئے معلوم نہیں کس کے ہاتھ سے کوئی قتل ہوا۔ پس شریعت کی رُو سے تو قابل سزا قتل واقعہ ہوا ہی نہیں کیونکہ قتل وہ ہے جو ارادہ سے کیا جائے۔ ان کا پہلے جو خیال تھا وہ بدل گیا تھا پھر اشتعال کی وجہ سے لڑائی ہوئی جس میں معلوم نہیں کس کے ہاتھ سے کون قتل ہوا۔ اپنی نسبت قاضی صاحب کا بیان ہے کہ مجھے مار مار کر بے ہوش کر دیا گیا اور جب مجھے ہوش آیا تو میں نے یہ کہتے سنا کہ کوئی مر گیا ہے۔ پس جب نہ قتل کا ارادہ تھا نہ قتل کیا صرف لڑائی ہوئی جس میں معلوم نہیں کس کے ہاتھ سے کون قتل ہوا تو ان پر قتلِ عمد کا الزام کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ پس ہم قاضی صاحب کی تعریف اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ہمیں یقین ہے انہوں نے قتل نہیں کیا اور جو یہ کہتا ہے کہ انہوں نے بہت اچھا کیا جوش میں آکر دشمن کو قتل کر دیا وہ جھوٹا ہے اور اپنے مرحوم بھائی اور سلسلہ پر الزام لگاتا اور بہتان باندھتا ہے۔

واقعہ صرف یہ ہے کہ وہ غیرت کی وجہ سے لڑے اور لڑائی میں ایک آدمی مارا گیا یہ معلوم نہیں کس کے ہاتھ سے مارا گیا۔ موت بے شک واقع ہوئی مگر بالارادہ قتل اسے نہیں کہا جا سکتا اور جو ایسا کہتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ عدالت کے فیصلہ کے ہم پابند نہیں اس نے اپنا کام کیا اور اپنی رائے

کے مطابق انہیں پھانسی دیدیا اس پر اس کا کام ختم ہو گیا مگر ہم اس کے فیصلہ کو صحیح ماننے کے لئے پابند نہیں ہیں۔ اس نے اپنے نقطہ نگاہ پر بنیاد رکھی۔ وہ ان کی سچائی سے اس طرح واقف نہ تھی جس طرح ہم واقف ہیں۔ عدالت یہ سمجھتی ہے کہ کوئی ملزم کب مانا کرتا ہے کہ میں نے یہ فعل کیا۔ مگر ہم نے ان کی صداقت کو دیکھا ہے۔ متواتر ایسے واقعات ہوئے کہ انہیں جھوٹ بولنے کے لئے ورغلایا گیا مگر انہوں نے ایک لحہ کے لئے صداقت کو نہ چھوڑا اور میں ذاتی طور پر واقف ہوں کہ وہ شخص جھوٹا نہ تھا۔ اور پانچ نہیں اگر پانچ ہزار گواہ بھی اس کے خلاف شہادت دیں تو ہم انہیں ہی جھوٹا سمجھیں گے کیونکہ ہمارے سامنے یہ بات ہوئی ہے کہ انہوں نے جان دیدی مگر سچ کو نہ چھوڑا۔ ہم عدالت پر بھی بددیانتی کا الزام نہیں لگا سکتے۔ ممکن ہے ہم میں سے اگر کوئی جج ہوتا تو شاید وہ بھی یہی فیصلہ کرتا۔ گو میری یہ بھی رائے ہے کہ اگر عدالت دوسرے نقطہ نگاہ سے دیکھتی تو ضرور چھوڑ دیتی۔ خود شہادتوں سے بھی ایک ایسا نقطہ نگاہ ثابت ہوتا تھا کہ اگر عدالت چاہتی تو چھوڑ دیتی مگر حالات ایسے تھے کہ غلطی کا بھی احتمال ہے اس لئے ہم عدالت پر کوئی الزام نہیں لگاتے۔ وہ مجبور تھی کہ شہادتوں کی بناء پر جو اس کی سمجھ میں آئے فیصلہ کردے مگر ہم بھی مجبور ہیں کہ دس ہزار شہادتوں کے مقابلہ میں بھی قاضی صاحب کے بیان کو سچا سمجھیں۔ عدالت نے اگرچہ دیانتداری سے فیصلہ کیا مگر غلط کیا۔ واقعہ یہی ہے کہ قاضی صاحب نے قتل نہیں کیا۔ ایک آدمی ضرور مرا مگر معلوم نہیں کس کے ہاتھ سے۔ خود ہائیکورٹ کے ان ججوں سے جنہوں نے فیصلہ کیا اگر پوچھا جائے تو وہ بھی کہیں گے کہ ہم غلطی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ان گواہوں پر اعتبار کیا جن کی گواہی ہمارے نزدیک قاضی صاحب کے بیان سے ہرگز معتبر نہیں تھی مگر عدالت ایسا فیصلہ کرنے پر مجبور تھی۔ کیونکہ شہادتوں کی رو سے یہی فیصلہ ضروری تھا۔ مگر ہم اپنے نقطہ نگاہ سے اس کے فیصلہ کی تائید نہیں کر سکتے۔ پس ہم جب قاضی صاحب کی تعریف کرتے ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے ایک آدمی کو مار دیا بلکہ اس وجہ سے کہ انہوں نے سچائی کو اختیار کیا۔ آخر دم تک اس پر قائم رہے اور بالآخر جان دیدی مگر صداقت کو نہ چھوڑا۔ اور یہ وہ روح ہے جو ہم چاہتے ہیں ہر احمدی کے اندر پیدا ہو۔ اسی وجہ سے میں ان کے جنازہ میں شامل ہوا۔ بعض لوگوں نے کہا ان کی وصیت منسوخ ہونی چاہئے۔ مگر میں نے سختی سے ان کے خیال کی تردید کی کیونکہ اپنے ذاتی علم اور تجربہ کی بناء پر ہم ان کے بیان کو ہائی کورٹ کے فیصلہ سے زیادہ سچا سمجھتے ہیں۔ خود ہائی کورٹ بھی یہ نہیں کہتی کہ اس کے فیصلوں کو ضرور درست سمجھا جائے۔ قانون صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کے

فیصلہ پر عمل کیا جائے اور بد دیانتی پر مبنی قرار نہ دیا جائے- سو عمل ہو چکا اور ہم عدالت پر بد دیانتی کا الزام نہیں لگا سکتے کیونکہ یہ کہنا کہ دشمنی سے یہ سزا دی گئی سخت بے حیائی ہوگی- بھلا فیصلہ کرنے والے انگریز ججوں کو کسی سے کیا دشمنی یا لگاؤ ہو سکتا ہے- انہوں نے جو کچھ کیا اپنے نزدیک صحیح سمجھ کر کیا اگرچہ وہ غلط ہے- انہوں نے جس بات کو زیادہ وزن دار سمجھا اس کی بناء پر فیصلہ کر دیا- مگر ہم جس بات کو اپنے نزدیک زیادہ معتبر سمجھتے ہیں اس کی بناء پر فیصلہ کرتے ہیں- اصل علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے دونوں ایک دوسرے کی نگاہ میں بری ہیں- دونوں کی نیت پر اعتراض نہیں جا سکتا- انہوں نے اپنی نیت اور علم کے مطابق فیصلہ کیا اور اس بناء پر کیا کہ قاضی صاحب نے قتل کیا ہے اور ہم تعریف کرتے ہیں تو اس لئے کہ انہوں نے قتل نہیں کیا اور سچائی کے لئے جان دیدی- اور جو شخص کہتا ہے کہ انہوں نے بالارادہ قتل کیا اور اچھا کیا وہ منافق ہے اور جماعت پر اعتراض کرانا چاہتا ہے- اسی طرح جو یہ کہتا ہے کہ انہوں نے غلطی کی ہے وہ بھی یا تو بیوقوف ہے یا شرارت کرتا ہے گویا وہ یہ قرار دیتا ہے کہ انہوں نے قتل کیا حالانکہ نہیں کیا- غرض جو یہ کہتا ہے کہ بالارادہ قتل کیا اور اس بناء پر تعریف کرتا ہے وہ بھی منافق ہے کیونکہ سلسلہ کی تعلیم کے خلاف وہ یہ خیال پھیلانا چاہتا ہے کہ اگر کوئی گالی دے تو اسے قتل کر دینا چاہئے اور جو یہ کہتا ہے کہ انہوں نے دیدہ و دانستہ قتل کیا اور اس وجہ سے وہ قابل مذمت ہے وہ بھی فتنہ گر ہے- پس دونوں قسم کے لوگوں میں منافق ہیں- ہاں ایک درمیانی راستہ ہے اور وہ یہ کہ اشتعال پیدا ہوا اور لڑائی ہو گئی اس میں ایک شخص مارا گیا اور یہی صحیح ہے- مگر یاد رکھو کہ وہ اشتعال جس میں انسان معذور سمجھا جاتا ہے وہی ہے جو اسباب کے ساتھ فوراً ہی پیدا ہو جائے- قانون کے نزدیک بھی قابل عفو اشتعال یہی ہے کہ وہ فوری ہو جس کے دبانے کا امکان بہت کم ہوتا ہے- رسول کریم ﷺ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اگر جوش آئے تو کھڑے ہونے کی صورت میں بیٹھ جاؤ یا پانی پی لو یا وہاں سے ہٹ جاؤ-[۱] جس کے معنے یہ ہیں کہ اشتعال فوری ہوتا ہے اور زمانہ کے گزرنے کے ساتھ جوش مدھم ہو جاتا ہے اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ کینہ توزی ہے- آناً فاناً جو کچھ ہو جائے وہ بھی بے شک قابل اعتراض یا قابل افسوس ہوگا مگر اتنا نہیں جتنا وہ فعل جو کینہ توزی کے ماتحت کیا جائے- اشتعال کے ماتحت لڑائی کو بھی ہم اچھا نہیں کہتے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت انسان کے لئے اپنے پر قابو رکھنا قریباً ناممکن ہو جاتا ہے-

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کا واقعہ ہے- میں نے خود تو نہیں سنا مجھے

دوستوں نے سنایا ہے۔ یہاں ایک دوست تھے جنہیں پروفیسر کہا جاتا تھا۔ وہ پہلے تاشوں وغیرہ کے تماشے کیا کرتے تھے یعنی پتوں وغیرہ کا رنگ تبدیل کردینا یا کسی کی جیب سے پتہ اُڑا لینا یا چھوٹا بڑا کردینا وغیرہ وغیرہ۔ اور چونکہ وہ نوکر رکھ کر باقاعدہ تھیٹر وغیرہ بنا کر کھیل کیا کرتے تھے اس لئے بجائے بازی گر یا مداری کے پروفیسر کہلاتے تھے۔ بعد میں جب احمدی ہوئے تو یہ کام چھوڑ دیا اور تجارت کرنے لگے مگر پروفیسر ہی کہلاتے رہے۔ مخلص آدمی تھے مگر طبیعت میں تیزی بہت تھی۔ کچھ دنوں لاہور میں دکان کرتے تھے۔ کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں کوئی بے ہودہ لفظ کہا تو اسے پکڑ کر مارا۔ خواجہ کمال الدین صاحب یہاں آئے تو حضرت مسیح موعودؑ سے شکایت کی کہ ان کو سمجھا دیا جائے اس طرح فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ آپؑ نے انہیں سمجھانا شروع کیا اور فرمایا ہماری تعلیم یہی ہے کہ نرمی سے کام لیا کرو۔ اگر کوئی گالیاں بھی دے تو برداشت کیا کرو۔ ان کی طبیعت چونکہ تیز تھی اس لئے انہوں نے جو بات کی وہ اگرچہ بے ادبی کی تھی مگر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جوش کے وقت انسان کی حالت کیا ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا بس جی بس ایسی نصیحت رہنے دیں آپ کے پیر کو جب کوئی گالی دے تو آپ جھٹ مباہلہ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور ہمارے پیر کو برا بھلا کہا جائے تو ہمیں خاموش رہنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ سن کر ہنس پڑے اور بھی سب اہل مجلس ہنس پڑے۔ صحیح بات یہی ہے کہ ایسی حالت میں انسان کو سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ گو یہ غلطی ہوتی ہے مگر اس کی ذمہ داری اس پر ہوتی ہے جس نے ایسی حالت پیدا کی۔ جیسے ہندوؤں نے رسول کریم ﷺ کی ہتک کرنے کے لئے کتابیں لکھیں اور اس کے نتیجہ میں بعض قتل ہوئے۔ جو شخص ایسی حالت پیدا کرتا ہے وہ خود قتل کرنے والے سے بھی زیادہ مجرم ہے۔ چنانچہ قرآن شریف نے فرمایا ہے اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ[۲] کسی کو جوش اور اشتعال دلانا بہت زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ وہ خود پیچھے رہ کر دوسرے کو گنہ گار بنانا چاہتا ہے۔ الغرض ایسی حالت میں خواہ کسی پر کتنا ہی تصرّف کیوں نہ ہو سمجھانا مشکل ہو جاتا ہے۔

ایک دفعہ یہاں کسی نے مشہور کر دیا کہ ہندوؤں نے نیر صاحب اور پیر محمد یوسف بھٹہ والے کو مار دیا ہے۔ نوجوان طالب علم اور دوسرے لوگ سب کے سب لاٹھیاں لے کر دوڑ پڑے۔ اتفاق سے میں ایسی جگہ بیٹھا تھا کہ میں نے اوپر سے لوگوں کو گلی میں سے جاتے دیکھ لیا۔ ان کے چہرے متغیر تھے کئی ایک رو رہے تھے۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ میں نے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ مگر وہ رُکے نہیں۔ جب کئی آوازیں دے کر روکا اور پوچھا کہ کہاں جاتے ہو تو انہوں نے بتایا کہ اس طرح

ہمارے آدمیوں کو مار دیا گیا ہے۔ میں نے کہا یہ بیوقوفی ہے کہ بغیر سوچے سمجھے چل پڑے ہو۔ پہلے تحقیقات تو کر لو۔ وہ میرے کہنے سے رک تو گئے مگر کسی نے کہہ دیا کہ ابھی اور بھی کئی ایک کو مار رہے ہیں۔ بس یہ سننا تھا کہ وہ پھر بھاگ پڑے اور میں نے پھر سختی سے روکا اور ان میں سے ہی ایک کو کہا کہ پہلے تم جاؤ اور جاکر تحقیقات کر آؤ کیا معاملہ ہے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ لوگ میرے حکم سے کھڑے تو تھے۔ مگر ان کا برا حال ہو رہا تھا اور تھر تھر کانپ رہے تھے۔ جب فتنہ پرداز شخص نے دیکھا کہ اب یہ رک گئے ہیں اور میرا جھوٹ کُھل جائے گا تو اس نے کہا کہ ابھی ایک آدمی آیا ہے جس نے بتایا ہے کہ وہاں ہمارے بھائی خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ پاس ہی گلی میں کھڑا بھکا رہا تھا۔ بس یہ سن کر لوگ بے اختیار ہو کر پھر بھاگ پڑے۔ آخر میں نے کہا کہ تم میں سے جو شخص ایک گز بھی حرکت کرے گا میں اسے جماعت سے خارج کر دوں گا۔ چونکہ اس کے مقابلہ میں ان کی کوئی پیش نہ جا سکتی تھی اس لئے وہاں کھڑے تو رہے مگر ان کی جو حالت تھی اس کا مجھ پر آج تک اثر ہے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اور جس طرح ایک پتہ کانپتا ہے بعینہٖ اسی طرح وہ کانپ رہے تھے اور مجنونوں کی طرح واسطے دے رہے تھے کہ ہمیں جانے کی اجازت دی جائے۔ تو ایسی حالت میں سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے اور ایسی حالتِ جوش میں اگر کوئی حرکت سرزد ہو جائے تو اس کی ذمہ داری اسی پر ہوتی ہے جو اشتعال دلاتا ہے۔ اور قاضی صاحب مرحوم کے واقعہ کے متعلق خود ہائی کورٹ نے لکھا ہے کہ اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر ہے جن کی طرف سے دل آزاری کی گئی۔ ایسے اشتعال کی حالت میں تو انسان کی وہی حالت ہوتی ہے جو حافظ شیرازی نے اپنے ایک شعر میں بیاں کی ہے۔ یعنی

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ
باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

یعنی پہلے تو کسی کو دریا میں قید کر دیا جائے اور پھر کہا جائے کہ دیکھنا گیلا مت ہونا۔ کسی کے دماغی توازن کو پراگندہ کر کے یہ امید رکھنا کہ وہ ہوش سنبھالے رکھے ظالمانہ امید ہے۔ گو مومن سے اس کا خدا پھر بھی یہ امید رکھتا ہے کہ وہ ایسی حالت میں بھی قابو میں رہے لیکن اگر نہ رہ سکے اور پھر توبہ کرے تو خدا بہت جلد اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ پھر ایک زائد بات یہ ہے کہ قاضی صاحب نے ارادہ قتل نہیں کیا صرف جوش میں لڑ پڑے اور قتل ایک اتفاقی امر تھا پھر انہوں نے اس فعل پر ندامت کا اظہار کیا اور گورنمنٹ کو جو چٹھی لکھی اس میں بھی لکھا کہ افسوس ایک ناکردہ گناہ

میری لڑائی میں مارا گیا اور اس پر بھی اظہار افسوس کیا کہ لڑائی کرنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ جس کا اب مجھے پتہ لگا ہے۔ پس جب انہوں نے توبہ کرلی اور اپنی جان دے کر اور خون بہا کر توبہ کی تو یہ کیا ایسے بیسیوں قصور بھی ہوں تو دھل سکتے ہیں۔ پس میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہم کیوں ان کی تعریف کرتے ہیں اس لئے نہیں کہ انہوں نے جاکر ارادہ سے ایک شخص کو مار دیا کیونکہ یہ تسلیم شدہ ہے کہ ان کا ارادہ بدل گیا تھا۔ اصل واقعہ صرف یہ ہے کہ لڑائی ہوئی اور معلوم نہیں کس کے ہاتھ سے ایک آدمی مارا گیا اور ہمیں افسوس ہے کہ مارا گیا۔ کیونکہ بظاہر اس کا کوئی اتنا قصور معلوم نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اس نے مستریوں کی ضمانت دی ہوئی تھی اور دوستانہ میں یہ ایک معمولی بات ہے۔ پس ہمیں اس کے مارے جانے پر افسوس ہے اور اس کے رشتہ داروں سے ہمدردی ہے۔ لیکن قاضی صاحب نے سلسلہ کی خاطر اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں کی اور سچائی کی خاطر قربان ہوگئے۔ اور کون ہے جو ایسی صداقت شعاری کی تعریف نہ کرے۔ ان کے سامنے متواتر ایسے مواقع آئے کہ وہ ذرا سا جھوٹ بول کر جان بچا سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا تا سلسلہ پر کوئی حرف نہ آسکے۔ پس کون ہے جو کہے گا کہ ان کے نام کو زندہ نہ رکھنا چاہئے۔ ہمیں ہر احمدی سے توقع رکھنی چاہئے کہ وہ سچائی کے قیام کے لئے جان دینے سے قطعاً نہ ڈرے۔ یہ روح ہے جو قاضی صاحب نے اپنے عمل سے ظاہر کی ہے۔ اور ہم ہر جماعت اور ہر گورنمنٹ کے سامنے یہ کہنے سے ذرا بھی شرمندہ نہیں کہ ہم اس رُوح کو سلام کرتے ہیں اور اسے اپنی جماعت کے لئے نمونہ قرار دیتے ہیں۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ جھوٹا ہے یا غلطی خوردہ ہے اور یا منافق ہے۔

(الفضل ۱۸۔ جولائی ۱۹۳۱ء)

۱؎ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۵۲

۲؎ البقرۃ: ۱۹۲